سید عطاء المحسن بخاری

شکوہ عید کا منکر نہیں ہوں میں لیکن..........!

جب سے انسان نے تہذیب سے آشنائی پیدا کی ہے اس نے اپنی بڑائی، خوشی اور راحت کو بہت اہمیت دی ہے۔ اور اسی ناطے سے اس نے اچھل کود، راگ رنگ، خمر و خنزیر، زنا، جوا اور مقابلہ بازی کے لئے دن اور تہوار مقرر کر رکھے تھے۔ عرب اپنے معاشرتی دائرے میں کسی قوم سے پیچھے نہ تھے۔ ان میں بھی ایک کلچر تھا، سماجی اقدار تھیں۔ ان کے ہاں بھی دیہاڑے اور تہوار تھے جن میں وہ سب کچھ ہوتا جو ایران، روم، مصر اور یونان میں ہوتا تھا۔ مکہ کے قریش یا مدینہ کے یہود دونوں ہی تہذیب آشنا تھے اور قرآنِ کریم نے ان کی اسی حالت کو لہو ولعب کہا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ منورہ پہنچے تو یہودِ مدینہ کا تہوار دیکھا، اس کی تفصیلات معلوم کیں تو فوراً ارشاد فرمایا

"اب اللہ نے تمہارے دو روزہ تفریحی پروگرام کے مقابلہ میں دو بہترین دن عطاء فرمائے ہیں۔"

جو سابقہ عیدوں کا نعم البدل ہیں، جن کی ابتداء نماز جیسی عبادت سے ہوتی ہے۔ جن میں دنوں کے مالک کی بڑائی بیان کی جاتی ہے۔ جن میں غریبوں، محتاجوں، ناداروں اور پسے ہوئے طبقات کو سر بلند کرنا فرض ہے۔ جن میں بچوں اور بوڑھوں کی خوشی کا سب سے زیادہ احساس ضروری ہے۔ جن میں کھانا پینا، خوشی منانا اور کھیل بھی شامل ہے۔

لیکن.......... عید، خوش خوراکی و خوش پوشاکی اور کھیل کود کا نام ہی تو نہیں بلکہ عید عبارت ہے........

اجتماعیت و یکجہتی سے

قربانی و ایثار سے

عدل و تقویٰ سے

حق شناسی و خدا خوفی سے

محبت، ادب اور اخلاص سے

مودت اور اخوت کے پاکیزہ جذبات سے!

یعنی یہ دونوں عیدیں عبادت بھی ہیں اور دینی سماج کی قدروں کی بقاء کے دن بھی۔ زندگی میں کتنی جامعیت ہو اگر ہم اسی ایک دن کو حکم رسول ﷺ کی اتباع میں گزاریں۔ اگر پوری زندگی اسوہ رسول ﷺ کے مطابق گزارنا شروع کریں تو پاکستان "دارالسلام" بن سکتا ہے۔ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقانیت اور معجزہ ہی تو ہے کہ آپ کے ایک فرمان نے ایک پوری تہذیب بدل ڈالی۔

عید کے دن رحمۃ للعلمین ﷺ گھر سے باہر عید گاہ کی طرف گامزن تھے کہ راہ میں ایک بچہ روتا ہوا دیکھا۔ رحمت عالم ﷺ نے اس طفلک بے آسرا کو پیار کیا اور پوچھا، کیوں رو رہے ہو؟ عرض کی سب بچے اپنے اپنے ماں باپ کے ساتھ عید کی مسرتوں، راحتوں اور لذتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں اور میں تنہا اداس ہوں۔ غم کی اس کھائی میں گرا تو آنسو ابل پڑے۔ رحمت کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے اس بچے کو اٹھایا اور اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور فرمایا تو میرا بیٹا ہے، میں تیری تنہائی کا مونس۔ میں تیرا غم خوار ہوں تو میرا دلدار ہے۔

کیا آج دولت کی مستی، اقتدار کے نشہ، جاگیرداروں کے غرور، کارخانوں اور ملوں کی چمنیوں کے دھوئیں، مشینوں اور ٹریفک کی وحشتوں کے شور میں کوئی ہے جو امت رسول کے غریبوں، فقیروں، مسکینوں، یتیموں، ناداروں، بیماروں اور کشمیر، بوسنیا، چیچنیا، الجزائر اور تاجکستان کے مظلوم حریت پسند مسلمانوں اور روتی، چلاتی، سسکتی ہوئی بے آسرا انسانیت کے سر پر محبت کا ہاتھ رکھے؟ اسے اپنائیت کا کندھا دے، اس کی تنہائی کو پررونق کرے، اس کے خلوت کدۂ دل و جاں میں مسرتوں کا نور بکھیرے اور قبر و حشر کی وحشتوں میں کسی کو مونس جاں بنائے؟

آج وطن عزیز وحشتوں کی زد میں ہے۔ کراچی مقتل گاہ انسانیت کی بدترین مثال ہے۔ عید کے پر مسرت موقع پر اپنے رب کے حضور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے دین حق سے بغاوت اور یہود و نصاریٰ کی تہذیب و ثقافت کی بھول بھلیوں اور دلکشیوں میں کھو گئے۔ صورت حال یہ ہے کہ مسلمان، مسلمان کی جان کا دشمن ہو کر ایک دوسرے کا گلہ کاٹ رہا ہے۔ مسجدیں مسلمانوں کے خون بے گناہی سے سرخ ہیں۔ پورا ملک خانہ جنگی کی لپیٹ میں ہے۔ معاشی بدحالی، بدامنی، لوٹ کھسوٹ اور قتل و غارت گری عام ہے، حکمران اور سیاست دان کرپٹ ہیں، قومی ادارے تباہ ہو چکے ہیں۔ مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ سے عوام کا اعتماد اٹھ چکا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم مسلمان من حیث المجموع اپنی شناخت کھو چکے ہوں؟

ہم نام کے مسلمان اور عمل میں یہود و نصاریٰ کے تمدن اور تہذیب کے اسیر ہو چکے ہوں؟ اگر واقعی ایسا ہے تو پھر یقین مانیں یہ وحشتیں، اور کلفتیں اسی دورخے پن اور منافقت کی سزا ہیں۔

اے کاش! ایسا ہو سکتا کہ ہم عید اسی طرح مناتے جس طرح نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منائی۔
اے کاش! ایسا ہو سکتا کہ ہم عید کی خوشیوں میں دنیا بھر کے معتوب و مظلوم مسلمانوں کو بھی شریک کرتے۔ اپنی دعاؤں سے اپنے اخلاقی تعاون سے اور اپنی اجتماعی حمایت سے۔ مگر ہم نے تو انہیں یاد تک نہ کیا۔ کشمیری، بوسنیائی، چیچن، الجزائری، تاجک، صومالی اور دنیا کے ہر خطے میں کفر کے خلاف جہاد کرنے والے مجاہد مسلمانوں کو "مہا بھارتو" امریکہ کی تقلید میں بنیاد پرست، دہشت گرد اور انتہا پسند جنونی کہہ کر ان کے زخم

بقیہ ص۱۱ پر